POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 August 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 02-07-2024 • Price: 5/- • 1-14 July 2024 • Issue: 25,26 • Vol:83

یکم تا ۱۴ر جولائی ۲۰۲۴ء • شمارہ: ۲۵، ۲۶ • جلد: ۸۳

صحتِ زبان (۱۵)

رؤف پاریکھ

☆ نُقطہ یا نُکتہ؟

نکتہ چینی سب کو بُری لگتی ہے کیوں کہ اس میں اردو کی چینی یعنی شکر نہیں ہوتی بلکہ یہ فارسی کی چینی (چُننے کا عمل) ہے۔ غالب نے کہا:

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے

اور نکتہ چیں کا مطلب ہے جو عیب ڈھونڈے۔ نکتہ چینی یعنی خامیاں چُننے کا عمل۔

نکتہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ لفظ اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں اس کا مطلب عیب یا خامی بھی ہے اور باریک بات، رمز کی بات، گہری بات، عقل کی بات بھی[1]۔ لطیفے یا چٹکلے کو بھی اردو میں نُکتہ کہتے ہیں۔ اسی سے نکتہ رَس کی ترکیب ہے یعنی گہری یا باریک بات تک پہنچنے والا، ذہین۔ باریک بات کو سمجھنے والے کو نکتہ سنج یا نکتہ شناس کہتے ہیں۔ نکتہ سنج کی ترکیب کو سخن شناس یا خوش گفتار کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ نکتہ داں یعنی باریک بات یا عقل کی بات کو سمجھنے والا۔ حالؔی نے غالبؔ کا مرثیہ لکھا تو اس میں غالب کی یوں تعریف کی:

نکتہ داں، نکتہ سنج، نکتہ شناس

عربی میں ایک اور لفظ ہے نُقطہ۔ یہ اردو میں بھی مستعمل ہے اور اس کا مطلب ہے وہ باریک نشان جو کاغذ پر قلم رکھنے سے بنتا ہے، جسے ہندی میں بِندی اور انگریزی میں ڈاٹ (dot) کہا جاتا ہے۔ دائرے کے مرکز کو بھی نقطہ کہتے ہیں۔ جو دائرہ پرکار بناتا ہے اس کے وسط کے نشان کو نقطۂ پرکار کہتے ہیں، اقبال کا مصرع ہے:

نقطۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں

حروف پر جو باریک نشانات لگائے جاتے ہیں ان کا نام بھی نقطہ ہے، مثلاً حرف شین (ش) کے اوپر تین نقطے ہیں لیکن سین (س) پر کوئی نقطہ نہیں۔ جس حرف یا لفظ میں نقطہ ہو اسے منقوط یا منقوطہ کہتے ہیں۔ بغیر نقطے والے حرف یا لفظ کو غیر منقوط یا غیر منقوطہ کہتے ہیں۔ بعضوں نے اپنا زورِ کلام دکھانے کے لیے اردو میں غیر منقوطہ شاعری بھی کی یعنی ایسی شاعری جس میں نقطے والا کوئی حرف نہیں آتا۔ انشاء اللہ خاں انشا نے صنعتِ غیر منقوطہ میں خاصا کلام کہا ہے، مثلاً ایک شعر دیکھیے:

سلسلہ گر کلام کا وا ہو
سامعِ دردِ دل کو سودا ہو

اس شعر کے کسی لفظ میں کوئی نقطہ نہیں ہے۔ یہ غیر منقوط ہے۔

جس پر نشانہ لگایا جائے اسے بھی نقطہ کہا جاتا ہے اور اسی سے نقطۂ نظر یا نقطۂ نگاہ کی ترکیب بنی جس کا مطلب ہے نظر کا مرکز یا نشانہ اور مراد ہے دیکھنے کا زاویہ اور سوچنے کا انداز، اندازِ نظر، اندازِ فکر، خیال، رائے۔

لیکن بعض اوقات نکتہ اور نقطہ کو گڈ مڈ کر دیا جاتا ہے اور بعض لوگ نقطۂ نظر اور نقطۂ نگاہ کو نکتۂ نظر یا نکتۂ نگاہ لکھتے ہیں جو غلط ہے۔ صحیح ترکیب ہے نقطۂ نظر یا نقطۂ نگاہ۔ نقطۂ عروج اور نقطۂ جوش وغیرہ میں بھی یہی نقطہ ہے اور ایسے مواقع پر نکتہ لکھنا درست نہیں۔

عربی میں نُکتہ کی جمع نِکات (نون کے نیچے زیر) ہے اور اسے نُکات (نون پر پیش) پڑھنا بالکل غلط ہے۔ میر تقی میر کی کتاب کا نام نِکات الشعرا ہے، آپ کی گفتگو کے تمام نِکات اہم ہیں، فلاں حکومت کا پنج نِکاتی منصوبہ تھا، ان سب جملوں میں نِکات یعنی نون کے نیچے زیر پڑھنا چاہیے، یہاں نون پر زبر یا پیش پڑھنا صحیح نہیں۔ اصل میں عربی میں الفاظ کی جمع وزن پر بنائی جاتی ہے اور عربی الفاظ کی جمع مکسر کے اوزان میں سے ایک وزن ''فِعال'' (فے کے نیچے زیر) ہے لہٰذا اس وزن پر جتنی بھی جمعیں بنیں گی سب کے پہلے حرف کے نیچے زیر ہوگا اور سہ حرفی مادے کے دوسرے حرف کے بعد الف کا اضافہ ہوگا، مثلاً:

واحد	جمع
جَبَل (پہاڑ)	جِبال
جہت	جِہات
رَجُل (مرد)	رِجال
بَلَد (شہر)	بِلاد
خصلت	خِصال
روضہ (باغ)	رِیاض
کریم	کِرام (جیسے اساتذۂ کِرام یا صحابۂ کِرام)
نُکتہ	نِکات[2]

نُقطہ کی ایک جمع عربی میں نِقاط بھی ہے (یہ بھی 'فِعال' کے وزن پر ہے) اور دوسری نُقَط، یعنی نون پر پیش اور قاف پر زبر کے ساتھ۔ گویا نِقاط اور نُقَط کا لفظی مطلب ہوگا بہت سے نقطے۔ بے نُقَط کے معنی ہیں بغیر نقطوں کے۔ اردو میں محاورہ ہے بے نُقَط سنانا، یعنی گالیاں بکنا، مغلّظات سنانا۔ اس بے نقط کی وجہِ تسمیہ راقم کے خیال میں غالباً یہ ہوسکتی ہے کہ بعض لوگ جب گالی لکھتے تھے تو اس پر احتیاطاً نقطے نہیں لگاتے تھے۔ مثلاً مشتاق احمد یوسفی نے 'زرگزشت' میں ایک صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی:

''گالیاں طبع زاد، برجستہ اور آورد سے پاک ہوتی تھیں۔ نکتہ آفرینی اور سلاست وروانی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ بازی گر کی طرح اپنے دہانے سے بھی بڑے قطر کے گالیوں کے گولے منھ سے نکالتے رہتے۔ پیش پا افتادہ، پامال مضامین اور بزرگوں کی گھڑی گھڑائی ترکیبوں سے احتراز کرتے۔ اپنی راہ الگ نکالی تھی۔ کبھی کوئی بہت ہی نازیبا مضمون غیب سے نازل ہوجائے تو زبان کو آلودہ نہیں کرتے تھے۔ خطِ کوفی میں کاغذ پر لکھ کر ہمیں دکھا دیتے۔ گالیوں کی خطاطی کا اس سے بہتر نمونہ آج تک ہماری نظر سے نہیں گزرا''۔[3]

طالبِ علموں کے لیے وضاحتاً عرض ہے کہ خطِ کوفی میں نقطے نہیں لگائے جاتے تھے۔[4]

حاصلِ کلام یہ کہ نقطہ کی جمع نِقاط اور نُقَط ہے اور نکتہ کی جمع نِکات۔ نیز یہ کہ صحیح ترکیب نقطۂ نظر ہے۔

☆ چیخ پکار یا چیخ و پکار

عربی اور فارسی الفاظ کے درمیان جب واو (و) آتا ہے تو 'اور' کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ اس عمل کو اصطلاحاً عطف اور ایسے واو کو واوِ عطف کہتے ہیں۔ عطف کے لفظی معنی ہیں جھکنا، مُڑنا، مائل ہونا، جوڑنا (بالخصوص کلمات کو)۔ یہ 'مہربانی کرنا' کے معنوں میں بھی آتا ہے اور اسی لیے عاطف نام رکھا جاتا ہے یعنی مہربانی کرنے والا، مہربان، شفیق۔ اسی سے انعطاف کا لفظ بھی بنا ہے۔ سائنس کے طالب علم جانتے ہیں کہ جب

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

روشنی منعکس (reflect) ہونے کے بجائے منعطف (refract) ہوتی ہے یعنی کسی واسطے (یعنی میڈیم medium) سے گزر کر ترچھی پڑنے اور مڑنے لگتی ہے تو اسے انعطاف (refraction) کہتے ہیں۔

لیکن دو لفظوں کو واو کے ذریعے جوڑنے کا جو عمل عطف کہلاتا ہے اس کی کچھ شرائط ہیں۔ شرائط یہ ہیں کہ واوِ عطف جن دو لفظوں کو درمیان میں آ کر جوڑے گا وہ دونوں یا تو عربی کے ہوں گے یا دونوں فارسی کے ہوں گے یا دونوں میں سے ایک عربی کا ہوگا اور ایک فارسی کا۔ مثلاً دین و دنیا میں دین اور دنیا دونوں عربی کے لفظ ہیں۔ جان و دل میں جان اور دل دونوں فارسی کے لفظ ہیں۔ خواب و خیال میں خواب فارسی کا لفظ ہے اور خیال عربی کا۔ ظلم و ستم میں ظلم عربی ہے اور ستم فارسی۔ لیکن اگر ایک بھی لفظ اردو (یا ہندی یا پراکرت کہہ لیجیے) کا ہوگا تو ان کے درمیان واو عطف لگا کر مرکب بنانا درست نہیں سمجھا جاتا۔ چیخ بھی اردو کا لفظ ہے اور پکار بھی اردو کا ہے۔ اس لیے ان دونوں کے بیچ میں واوِ عطف کا استعمال صحیح نہیں۔ گویا چیخ و پکار درست نہیں ہے۔ اسے چیخ پکار بولنا اور لکھنا چاہیے۔

ہمارے بعض اہلِ علم ایسے مرکبات کو جائز سمجھتے تھے اور اردو الفاظ کے درمیان واوِ عطف نیز فارسی کے انداز میں زیر یا ہمزہ لگا کر مرکب اضافی یا مرکب توصیفی بنانا بھی جائز سمجھتے تھے۔ خاص طور پر شان الحق حقی مرحوم 'لب سڑک' جیسے مرکبات کو غلط نہیں کہتے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب 'لسانی مسائل و لطائف' میں تاریخی حوالے دیے ہیں کہ اس طرح کے مرکبات (جن میں ایک لفظ مقامی زبان یعنی اردو یا ہندی کا ہے اور دوسرا فارسی یا عربی کا بلکہ بعض صورتوں میں دونوں الفاظ مقامی ہیں) کسرہ یا ہمزہ یا واوِ عطف کے ساتھ طویل عرصے سے استعمال ہو رہے ہیں اور بعض استاد شعرا نے بھی اس طرح کی تراکیب استعمال کی ہیں، مثلاً مظہر جانجاناں کے ہاں 'بیڑہ پاں'، آبرو کے ہاں 'مکھڑا و گال'، بہادر شاہ ظفر کے ہاں 'سرخیِ پاں' جیسی تراکیب ملتی ہیں[۵]۔

لیکن اہلِ علم کی اکثریت کے نزدیک اس طرح کے مرکبات بنانا درست نہیں اور ان کے خیال میں چیخ و پکار کی ترکیب بھی جائز نہیں ہے اور اسے چیخ پکار (یعنی واو کے بغیر) لکھنا اور بولنا چاہیے۔ بلکہ تمنا عمادی نے تو لکھا ہے کہ ''بعض جہلا واوِ عطف کے ساتھ چیخ و پکار لکھا کرتے ہیں''[۶]۔ خیر زبان میں اتنی سختی بھی ٹھیک نہیں لیکن کم از کم ان مباحث سے واقف ہونا ضروری ہے اور اگر انسان 'چیخ و پکار' استعمال کرے تو یہ کہہ کر کرے کہ میرے نزدیک ایسے مرکبات جائز ہیں۔ البتہ یہ بھی یاد رہے کہ اکثر اہلِ علم کی عمومی رائے یہی رہی ہے کہ ایسے مرکبات بنانا جائز نہیں ہے۔

حواشی:

۱ فرہنگِ آصفیہ، مرتبہ سید احمد دہلوی، جلد چہارم (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 1977) (عکسی ایڈیشن)۔

۲ تفصیلات کے لیے: قیوم ملک، اردو میں عربی الفاظ کا تلفظ (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، 1979، ص45-44 (اشاعتِ اوّل)۔

۳ دیکھیے: زرگزشت (کراچی: مکتبۂ دانیال، 1977)، ص 114 (اشاعتِ دوم)۔

۴ شیخ ممتاز جونپوری اور محمد ایوب قادری اپنی کتاب 'خط و خطاطی' میں لکھتے ہیں: ''پہلے خطِ کوفی میں نقطے اور زیر زبر پیش نہ تھے۔ ابوالاسود دولی نے تقریباً 40 ہجری سے پہلے صرف حرکت یعنی زیر زبر پیش ظاہر کرنے کے لیے نقطے ایجاد کیے۔ یہ نقطے گول گول ہوتے تھے پھر بھی ب، ت اور ث وغیرہ کے امتیاز کے لیے اس وقت نقطے نہ تھے''۔ (کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، 1961)، ص31۔

۵ حقی صاحب کا اس ضمن میں اپنا نقطۂ نظر تھا لیکن تقریباً تمام اہلِ علم ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ گرچہ انھوں نے اساتذہ کے کلام سے مرکبِ عطفی بنانے کے لیے واو کے ایسے استعمال کو ثابت کیا ہے۔ مثالوں کے لیے دیکھیے: لسانی مسائل و لطائف (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1996)، ص41-37 (طبعِ اول)۔ لیکن راقم کا خیال ہے کہ کسی زمانے میں یہ اردو میں جائز اور روا سمجھا جاتا تھا لیکن اصلاحِ زبان کی تحریکوں کے زیرِ اثر اس کے خلاف رائے قائم ہوگئی۔ حقی صاحب کی اس کتاب کے پیش لفظ میں اگرچہ مشفق خواجہ صاحب نے اس مسئلے پر بظاہر حقی صاحب کی تائید کی ہے (ص10) لیکن جب راقم نے اپنے کالم میں اس کی حمایت کی تو خواجہ صاحب نے راقم کو ٹوکا اور جب ہم نے حقی صاحب کا حوالہ دیا تو کہا کہ ''بھئی ایک ہی تو آدمی ہے اردو میں جو اس استعمال کی حمایت کرتا ہے''۔ یعنی حقی صاحب اس استعمال کے واحد حامی تھے اور خواجہ صاحب بھی اس معاملے میں ان سے متفق نہیں تھے۔

۶ تمنا عمادی مجیبی پھلواری، افعالِ مرکبہ (کراچی: مکتبۂ اسلوب، 1961)، ص73 (اشاعتِ اول)۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
سابق پروفیسر، شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی
drraufparekh@yahoo.com

ڈاکٹر صفدر
ایک منفرد ناقد و جدید شاعر

شاہد رشید

معمول کے مطابق فون پر صفدر صاحب کی آواز ابھری، لیکن آواز میں خفیف سی لرزش تھی۔ کہنے لگے طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے ڈاکٹر نے آر ٹی پی سی آر (RT-PCR) کروانے کے لیے کہا ہے۔ میں نے کہا گھبرانے کی بات نہیں ہے کروا لیجیے۔ شام ہوتے ہوتے تک خبر ملی کہ کوڈ اسپتال میں داخل ہو چکے ہیں۔ مجھے اطمینان تھا کچھ فکر کی بات نہیں ہے۔ جلد صحت یاب ہو کر آ جائیں گے اور ہسپتال ڈاکٹر اور وہاں کے انتظام پر بھی جلد ہی ایک مزاحیہ خاکہ لکھ دیں گے کیوں کہ ان دنوں ان کی طبیعت کچھ زیادہ ہی گلزار ہو رہی تھی۔ حسن بشیر، مصطفیٰ نانا، بیابانی صاحب کا چبوترا، آغا غیاث الرحمٰن صاحب وغیرہ کے خاکے لکھے۔ عارج میر کی کتاب انشائیہ پر بہ تفصیل ابتدائیہ لکھا۔ ان کی غزل، نظم، مزاحیہ مضامین، تنقیدی مضامین، انشائیہ وغیرہ جو بھی لکھتے اس کا اولین سامع اور قاری یہ ناچیز ہوتا۔ صفدر صاحب کی گفتار کی جولانی سننے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ڈاکٹر اسد اللہ کا بہت محبت سے تذکرہ کرتے تھے، ان کی نگارشات پچھلے کئی دنوں سے متواتر شائع ہو رہی تھیں۔ مجھ سے کہتے اسد اللہ نے مجھے قبر سے کھینچ کر کھڑا کر دیا۔ ان کا اشارہ ان کی جدید تحریروں کی طرف ہوتا تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے طبیعت میں سرور و انبساط نہیں تھا جو ان کی طبیعت کا خاصہ تھا، اکثر کہتے۔

اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

میں انھیں زندگی سے بے یقینی کی باتیں کرنے سے روکتا بھی تھا مگر شاید انھیں اس کا احساس ہو گیا تھا کہ وہ اب اس دارِ فانی کو چھوڑنے والے ہیں اسی لیے جیسا کہا جاتا ہے کہ شمع بجھنے سے پہلے پھڑکتی ہے۔ ان کے اندر کا لکھاری ایک بار پھر جاگ گیا تھا اور دھڑا دھڑ مضامین، خاکے منظرِ عام پر آ رہے تھے۔ فون کر کے مجھ سے پوچھتے تم نے 'اردو دنیا' دیکھا، تم نے 'شگفتہ' دیکھا، تم نے 'انقلاب' دیکھا۔ میں ذرا تساہل پسند واقع ہوا ہوں، ان کی نگارشات پڑھنے کے بعد میں فون کرنے کی سوچتا کہ ان کا فون آ جاتا۔

ان کی تحریر ایسی جامع ہوتی کہ بے جان پتھر کو بھی بولنے پر مجبور کر دیتی۔ 'بیابانی صاحب کا چبوترہ' پڑھ کر ہمارے ایک دوست اسے دیکھنے چلے گئے۔ واپس آ کر فرمایا مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آئی ہے۔ مگر یہ فنکار کی فنکاری ہے جس نے سنگی چبوترے کو بھی زبان عطا کر دی اور قاری تحریر پڑھ کر بے اختیار سر دھننے لگتا ہے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے میں اپنی سوانح لکھنا چاہتا ہوں۔ ذہن میں ان کے بچپن کی تمام یادیں محفوظ تھیں اور یکے بعد دیگرے وہ اس کا تذکرہ کرتے بھی رہتے تھے۔ ان کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ اردو ادب کے قاری بہترین سوانح سے مستفیض ہوتے۔ 'ذکرِ شہر یاراں' ان کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔ بزرگوں میں ڈاکٹر سید نعیم الدین، حضرت قاسم رضا صاحب، ڈاکٹر سید عبدالرحیم جیسے آفتاب و مہتاب شامل ہیں۔ ان کے بچپن کے دوست صادق بھائی کا خاکہ بھی دل نشین انداز میں لکھا گیا ہے۔ حسن بشیر (مرحوم) کی شخصیت کے نمایاں اثرات صفدر صاحب پر مرتب ہوئے۔ مصطفیٰ نانا بھی شہر کی ایک اہم شخصیت تھی، لوگ ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ صفدر صاحب کی تحریر نے انھیں بھی ادب میں زندۂ جاوید بنا دیا۔

'ذکرِ شہر یاراں' صفدر صاحب کی چھٹی کتاب ہے، اس سے پہلے 'شاعری و شیوۂ پیغمبری' (1982) تنقیدی مضامین کی کتاب منصۂ شہود پر آ چکی ہے۔ اسی کتاب کے مضامین نے شمس الرحمٰن فاروقی، وارث علوی، وزیر آغا اور انور سدید جیسے نابغۂ روزگار احباب کو متوجہ کیا۔

دوسری کتاب 'اردو تنقید کا تجزیاتی مطالعہ' 1992 میں منظرِ عام پر آئی، یہ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا۔ ان کا شعری مجموعہ 'قل قل آب وضو' 1995 میں شائع ہوئی۔ 'لفظوں پہ رم' غزلوں کا مجموعہ 2004 میں شائع ہوا۔ 'بے آمیز' تنقیدی مضامین کا مجموعہ 2014 میں شائع ہوا۔ 'آئینۂ خنداں' طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا مجموعہ 2019 میں شائع ہوا اور اب 'ذکرِ شہر یاراں' 2021 میں ان کے انتقال کے بعد شائع ہو رہا ہے، یہ خاکوں کا مجموعہ ہے۔ جسے وہ ترتیب دے چکے تھے۔ احباب نے ایک بار پھر یہ ذمہ داری میرے سر پر ڈالی کہ میں اسے زیورِ طبع سے آراستہ کروں۔ صفدر صاحب کو مرحوم لکھتے ہوئے بھی دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے مگر موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ وہ ایک سایہ دار درخت تھے، یہاں وروڈ میں کتنے ہی لوگوں نے ان کے سایے تلے اپنے ذوق کی آبیاری کی ہے۔ وہ انتہائی خلیق، ملنسار اور یاروں کے یار تھے۔ ہر دوست کے احوال کی فکر کرتے تھے۔ کون کیا لکھ رہا ہے۔ کہاں چھپ رہا ہے۔ ہم لوگوں کو پڑھنے کی طرف راغب کرتے فلاں مضمون پڑھا تم نے۔ فلاں پرچہ دیکھا تم نے۔ اس طرح مسلسل اس فراق میں رہتے کہ ان کے حلقے کے افراد کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ شروع میں میں نے طنزیہ اور مزاحیہ مضامین لکھے

مجھ سے فرمانے لگے سائنس میں لکھنے والوں کی کمی ہے تم سائنسی مضامین لکھو اس طرح مجھے سائنسی مضامین لکھنے کی طرف راغب کیا۔ میرے مضامین ماہنامہ 'سائنس' نئی دہلی میں شائع ہوتے تھے میں اپنی تحریر انھیں دکھاتا تو بہت خوش ہوتے اور اپنی رائے کا اظہار بھی فرماتے۔ مجھ سے اکثر کہتے ایسے مضامین لکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تمھارے مضامین کتابی صورت میں آنے چاہیے، 'مکاشفات' میری کتاب کا نام انھوں نے ہی تجویز کیا تھا۔ اسد اللہ کی کون سی کتاب شائع ہو رہی ہے، کہاں سے انعام مل رہا ہے۔ عارج میر کی 'ناشنیدہ' شائع ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ غرض یہ کہ وہ سب کی فکر رکھتے تھے۔ میرے ان سے قریبی تعلقات تھے۔ میرا بیشتر وقت ان کے ساتھ گزرتا تھا۔ ریٹائر ہو کر امراوتی چلے گئے مگر وہاں سے میرے احوال کی فکر رکھتے تھے۔ 26 مارچ 2021 کی صبح جمعہ کا دن عبید (چھوٹے صاحبزادے) کا فون آیا'' چچا میاں ابّا کا انتقال ہو گیا''۔ مجھے شروع میں یقین ہی نہیں ہوا لیکن موت اپنی حقیقت منوا لیتی ہے۔ اللہ انھیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور ان کے اہلِ خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

'صفدر: تنقیدی و تحریری جہتیں' (مرتبہ شاہد رشید) شائع ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ بار بار فون کر کے اپنی خوشی کا اظہار فرماتے۔ اردو کے جدید قاری کو اس کتاب کے ذریعے صفدر صاحب کے کام کا پتا چلا۔ اس سلسلے میں کئی خطوط و فون مجھے ملے۔ ''اس ہیرے کو کہاں چھپا کر رکھا تھا بھائی''، میں نے پہلی مرتبہ ان کی تحریر پڑھی، اس طرح کے کئی تعریفی کلمات سننے کو ملے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے مبارک باد کا خط لکھا، اس کا تذکرہ بار بار مجھ سے فرماتے اور بہت خوش ہوتے لیکن ادب میں جیسی پذیرائی ہونی چاہیے تھی ویسی نہیں ہوئی۔ جس معیار کی ان کی تحریر ہے اس کا اعتراف تو بہت سوں نے کیا مگر مستقل مضمون کی صورت میں کوئی بڑی تحریر سامنے نہیں آئی اس کا احساس انھیں بھی تھا۔ کوئی صاحب ان پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، یہ مژدہ انھوں نے مجھے سنایا تھا۔ کاش کہ ان کی زندگی میں ان پر کام ہوتا تو انھیں یک گونہ اطمینان ہوتا۔ اردو ادب کا ایک درخشاں ستارہ اپنی آب و تاب بکھیر کر ڈوب گیا۔ اردو کی تقریباً ہر صنف میں ان کے جوہر پارے بکھرے پڑے ہیں۔ وہ وارث علوی کی تحریر کو مزے لے لے کر پڑھتے تھے۔ شہر میں ایک لائبریری تھی جو بند ہو چکی تھی، اس کی کتابیں مسجد کے کمروں میں بند تھیں۔ وہاں سے الجمعیۃ کے پرچے نکال کر پڑھتے، تجلّی کے شمارے نکال کر پڑھتے، اس کے اڈیٹر عامر عثمانی کی تحریروں کو بہت مزے لے لے کر دہراتے تھے۔ وارث علوی کے تنقیدی مضامین مزے لے لے کر پڑھتے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی زبان پر اسلاف کے اثرات تھے۔ وقت کا ناقد جب ان کی تحریروں پر اپنا قلم اٹھائے گا تو ان کے اسلوب کو بالکل جداگانہ پائے گا۔

ڈاکٹر صفدر ادبی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں، اتنی مختلف الجہت ادبی کارگزاری کسی ادبی شخصیت کے حصے میں نہیں آئی۔ وہ علاقہ برار کے پہلے جدید شاعر، تنقید نگار اور ایک سربرآوردہ ظرافت نگار ہیں۔ ڈاکٹر صفدر نے معیار سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ برِّصغیر کے مقتدر ادبی رسائل میں تواتر سے لکھتے رہے ہیں۔ ماہنامہ 'شب خون' (الٰہ آباد)، ماہنامہ 'کتاب' (لکھنؤ)، ماہنامہ 'تحریک' (دہلی)، ماہنامہ 'آہنگ' (گیا) ماہنامہ 'جواز' (مالیگاؤں)، سہ ماہی 'توازن' (مالیگاؤں)، ماہنامہ 'افکار' (کراچی)، ماہنامہ 'اوراق' (لاہور)، ماہنامہ 'پیکر' (حیدرآباد) اور متعدد دیگر جرائد میں آپ کی منظوم اور نثری تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔

1970 کے بعد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والے ناقدین اور جدید شعرا میں موصوف کے نام اور کام کو قارئینِ ادب قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ صفِ اول کے ناقدین اُن کی شگفتہ اور مدلل نثر کی قدر کرتے ہیں۔ مرحوم وارث علوی آپ کے اسلوب کو آسمانی تحفہ قرار دیتے ہیں۔ ذکا صدیقی مرحوم آپ کی زبان دانی کا اعتراف کرتے ہیں۔ جید ناقد نظام صدیقی تنقید میں تخلیقات کے لیے آپ کے نام کا حوالہ دیتے ہیں۔ سلیم شہزاد ان کی نظموں کو ہم عصر شاعری کی نمائندہ نظمیں سمجھتے ہیں۔

آپ کی کئی تنقیدی اور شعری تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کو متعدد قومی اور علاقائی اعزازات سے نوازا گیا۔

آپ نے بحیثیت صحافی اور کالم نگار بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ 2004 تا 2006 آپ روزنامہ 'صدائے ودربھ' امراوتی کے مدیر رہے۔ اخبار ہذا میں آپ کے بے لاگ اور فکر انگیز اداریے خصوصیت سے پسند کیے گئے۔ اسی اخبار میں آپ کا مزاحیہ کالم 'نیم کارس' بڑے شوق سے پڑھا جاتا رہا ہے۔ 'نیم کارس' کی شگفتہ بیانی اور نکتہ رسی کی خوب خوب داد دی گئی۔

آپ ایک اچھے استاد اور ماہرِ تعلیم بھی سمجھے جاتے تھے۔ اس حیثیت سے آپ کی کارگزاری بھی قابلِ تعریف ہے۔ آپ نے متعدد تعلیمی اداروں اور سمیناروں میں تعلیمی موضوعات پر مقالے پیش کیے۔ آپ ایک اچھے مقرر بھی تسلیم کیے جاتے تھے۔ ریڈیو اور ٹی وی پروگراموں میں آپ کی شرکت ہوتی رہی ہے۔

آپ نے مہاراشٹر تعلیمی بورڈ کے لیے گیارھویں اور بارھویں کی اردو کی نصابی کتابیں مرتب کیں۔ مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ اور بال بھارتی کی مرتب کردہ درسی کتابوں سے مبصّر کی حیثیت سے خدمت انجام دی۔

راقم السطور سے صفدر صاحب کے تعلقات تقریباً نصف صدی پر پھیلے ہوئے ہیں۔ میری ادبی کارگزاریاں صفدر صاحب کی ہم نشینی کا ثمرہ ہیں۔ آپ ہی کے مشورے سے میں نے سائنس سے متعلق مضمون نگاری کی راہ اختیار کی۔ الحمدللہ ان مضامین کی خوب پذیرائی بھی ہو رہی ہے۔

اس علاقے کے متعدد اہلِ قلم آپ سے فیضیاب ہوئے۔ آج بھی تشنگانِ علم و ادب آپ کی ہم نشینی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ آپ لاؤڈ تھنکنگ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اسد اللہ کے مکان پر یا عارج میر کی لائبریری میں یا کسی سبزہ زار پر یا حسن بشیر لائبریری میں ہم لوگ ان کے ساتھ ہوتے تو ہم کسی ادبی مسئلے کا ذکر چھیڑ دیتے۔ پھر ڈاکٹر صفدر کی گل افشانیِ گفتار ہوتی اور تشنگانِ علم کی سیرابی۔ وہ محفلِ یاراں میں بولنے کے شوقین تھے۔ ان کے متعدد مضامین کی اوّل رونمائی پہلے محفلِ یاراں میں ہوتی پھر یہ مضامین صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہوتے۔

ان کی تخلیقات پر مقامی اثر نمایاں ہے۔ مثلاً کپاسی کے پھول، ہرے ہرے کھیت، سترہ ٹونڈیا (سترہ منھ والا) نفیس حیرانیوں کے تحت ان کی نظم 'اچل پور کے نام' ان کی بہترین تخلیق شمار کی جائے گی اس سے ان کی وطن سے محبت کا پتا چلتا ہے۔ اچل پور والوں کو خاص طور پر اس پر فخر ہونا چاہیے۔

اچل پور کے نام

جب سوچ کا جزیرہ
یادوں کے آبِ رواں سے گھر جاتا ہے
اور تلاش پر مامور کبوتر
خالی منقار لیے
آنکھوں کے کشتی میں لوٹتے ہیں
میں لہر لہر پڑھنے لگتا ہوں
تب روئی کا تکیہ
میری ماں کا زانو بن جاتا ہے
تیری گلیاں
اس کی انگلیاں بن کر
میرے بالوں میں کنگھی کرنے لگتی ہیں
میں آنکھیں بند کر لیتا ہوں
کھوئی ہوئی نسیم کا جھونکا
ماں کے آنچل کی مخمور ہوا بن کر
گہری گہری سانسوں میں ڈھلنے لگتا ہے
کھوئے ہوئے لفظوں کے بادل گھر آتے ہیں
اور ان سے اولین بوندیں
اس کے کافور بوسوں کا لمس لیے
میری پلکوں پر پڑنے لگتی ہیں

'بے آمیز' ڈاکٹر صفدر کے تنقیدی مضامین کا تیسرا مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے تنقیدی مضامین پر مشتمل ان کا پہلا مجموعہ 'شاعری اور شیوۂ پیغمبری' (1982) منظرِ عام پر آ چکا ہے۔ اس کے بعد 'جدید شعری تنقید' (1992) شائع ہوئی۔ اس میں حالی سے لے کر شمس الرحمٰن فاروقی تک کی شعری تنقید کا محاکمہ کیا گیا ہے۔ دونوں تنقیدی کتب کی اہلِ قلم کی جانب سے بے انتہا پذیرائی ہوئی ہے۔ 'بے آمیز' تنقیدی معروضات پر مبنی مضامین کا مجموعہ ہے۔

'دادِ ہنر' کے تحت ڈاکٹر یحییٰ جمیل رقم طراز ہیں:

''صفدر کی تنقید معروضی مطالعہ کی عمدہ مثال ہے۔ وہ اپنے معروض کی خصوصیات اس کے کلام سے اخذ کرتے ہیں وہ پوری کوشش کرتے ہیں کہ فن پارے کے صحیح خدوخال عیاں کر سکیں۔'' (ص:13)

صفدر loud thinking کرتے ہیں۔ دوستوں سے گفتگو کے دوران ہی ان پر نئے نئے موضوعات کا انکشاف ہوتا ہے جو بعد میں ادبی شہ پاروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بے لاگ تبصرہ، بات میں سچائی، فن پارے کو اس کے صحیح تناظر میں پرکھنا اور برجستہ ان پر فقرے چسپاں کرنا ان کی تنقید کا جزوِ لاینفک ہے۔ ہمارے کئی ناقدین جب کسی فن پارے کی تنقید پر کمربستہ ہوتے ہیں تو صفحات سیاہ کرتے جاتے ہیں اور موضوع وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ سلاست و روانی کا سلسلہ دراز ہوتا ہے لیکن مسئلے کا حل نظر ہی نہیں آتا ہے۔ بقول شخصے 'چاند دکھائی ہی نہیں دیتا، چاند دیکھنے کی چاہت میں قاری پر نیند سوار ہو جاتی ہے'۔

صفدر صاحب کی تحریر تنی ہوئی رسّی پر چلنے کے مترادف ہے۔ جس طرح سے رسّی کا جھول نٹ کو گرا دیتا ہے ٹھیک اسی طرح تحریر کا ڈھیلا پن فنکار کو اوندھے منہ گرا دیتا ہے، ان کی مقفّیٰ عبارت، نئی ترکیبیں، الفاظ کی بندشیں، خشک تنقید کو شگفتہ بنا دیتی ہے اور قاری اپنے پانچوں حواس کے ساتھ جاگ جاتا ہے۔ تحریر کی شگفتگی قاری کے چہرے سے عیاں ہوتی ہے۔

'قافیہ پیمائی اور مضمون آفرینی' اس کتاب کا پہلا مضمون ہے۔ شاید پہلی مرتبہ شاعری میں معنی آفرینی کو اتنے مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ صفدر رقم طراز ہیں:

''شاعری معنی آفرینی ہے۔ معنی آفرینی کے معنی ہے ایسی بات بنانا جو پہلے سے موجود نہیں ہے۔ شعر کی شکل میں شاعر نے پہلی مرتبہ اس کو وجود بخشا ہے۔ غرض شعر نا موجود خیال نا موجود معنی کا اظہار ہے۔ شاعر نئی راہ بناتا ہے لکیر نہیں پیٹتا۔'' (ص:21-20)

تخلیقیت فنِ شاعری کی اساس ہے۔ نئے معنی تخلیق کرنا نئی بات خلق کرنا ہی معنی آفرینی ہے، شاعری ہے۔ بقول شخصے 'گونگی حقیقت کو زبان دینا شاعری ہے'۔ مضمون کے آخر میں ان کا یہ کہنا کہ:

''نسخہ اخلاق سدھار کا ہو، سماج سدھار یا ہاضمہ سدھار کا، وہ نسخہ ہی رہے گا، شعر نہیں ہوگا۔ شعر تو معنی آفرینی سے ہی بنتا ہے۔'' (ص:24)

نقاد فن پارے کو سمجھنے اور پرکھنے میں قاری کی مدد کرتا ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قافیہ کے نکھی گوٹے ٹانکنا شاعری نہیں ہے۔ اس کسوٹی پر مشاعرے کو آواز کے زیر و بم سے لوٹنے والے ہمارے شعرائے کرام کتنے کھرے اترتے ہیں۔ کتنے ہی ناشاعروں نے قافیہ کے نکھی گوٹے کے اوزار سے عوام کی جیبوں کو کھنگال ڈالا ہے۔ واقعہ نگاری، خبر، دن رات کی کشاکش کو پیش کرنا شاعری کے مذکورہ بالا اصول پر پورا نہیں اترتا ہے۔ شاعر ہمیں برتتے ہوئے الفاظ سے بالکل نئی بات بتاتا ہے جسے ہم اپنے محاورے میں دور کی کوڑی لانا بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی بات کو صفدر یوں کہتے ہیں:

''اپنے تخلیقی لمحات میں شاعر ہماری دنیا کا آدمی نہیں رہتا۔ وہ اس دنیا کے رابطے میں ہوتا ہے جسے شعر کے ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

بہار میں اساتذہ تقرری کے تیسرے مرحلے کے امتحان کی تاریخوں کا اعلان

پٹنہ (28 جون)۔ بہار پبلک سروس کمیشن نے اساتذہ تقرری امتحان کا شیڈول جاری کردیا ہے۔ یہ امتحان 19 سے 22 جولائی کے درمیان ہوگا۔اس میں 19، 20 اور 21 جولائی کو ایک نشست میں جب کہ 22 جولائی کو دو نشستوں میں امتحان منعقد کیا جائے گا۔ تیسرے مرحلے میں 87 ہزار اساتذہ کی تقرری کرنے کا ہدف ہے۔ اساتذہ تقرری کے تیسرے مرحلے میں پہلی سے بارہویں کلاس تک کے کُل 87 ہزار 774 عہدے کے لیے امتحان منعقد کیا جائے گا۔ اس میں محکمۂ تعلیم، سماجی فلاح اور درج فہرست ذات و قبائل کے اسکولوں میں اساتذہ کے خالی عہدے بھی شامل ہیں۔ (انقلاب۔دہلی)

جن نائک چندر شیکھر یونی ورسٹی میں
شعبۂ اردو قائم کیا جائے

بلیا (25 جون)۔ڈاکٹر حیدر علی خاں کی سربراہی میں انجمن ترقی اردو بلیا کے ایک وفد نے جن نائک چندر شیکھر یونی ورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر سنجیت کمار گپتا سے ملاقات کر کے یونی ورسٹی میں اردو شعبہ قائم کر کے درس و تدریس کے ساتھ ریسرچ کا کام شروع کرنے کی اپیل کرتے ہوئے ایک میمورنڈم پیش کیا۔ وفد میں ڈاکٹر مسعود علیگ، مدھوسودن شریواستو ایڈوکیٹ، افتخار غازی، ڈاکٹر عبدالاول، فتح چند گپت بے چین، الطاف احمد، جمیل احمد، رادھے شیام یادو اور امت کمار سونو شامل تھے۔ ڈاکٹر عبدالاول نے انجمن ترقی اردو (شاخ بلیا) کا اردو کی ترویج و ترقی کے لیے کیے گئے کام کی وضاحت کرتے ہوئے سبھی ممبران و اردو سے محبت کرنے والوں کا تعارف کرایا اور اردو کو ایک ہندستانی زبان بتاتے ہوئے جنگِ آزادی میں اس کے کارنامے کو یاد کیا۔

ڈاکٹر حیدر علی خاں نے بی ایچ یو میں اردو ڈپارٹمنٹ کے قیام کے وقت اردو مخالفین کو پنڈت مدن موہن مالویہ کا یہ جواب کہ 'میں یونی ورسٹی کھول رہا ہوں، جہاں دنیا کی سبھی زبانوں کی تعلیم ہوگی' یاد دلایا۔ ڈاکٹر مسعود نے ریسرچ کے ضوابط پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے معیار کو بلند رکھنے کی تدبیر اور کوشش پر روشنی ڈالی۔ مدھوسودن شریواستو نے لائبریری کی افادیت پر گفتگو کرتے ہوئے اپنی نجی کتابوں کو لائبریری میں دینے کا عزم کیا۔اس موقعے پر وائس چانسلر پروفیسر گپتا نے آئندہ تعلیمی سیشن میں اردو شعبہ قائم کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے بورڈ آف اسٹڈیز کی میٹنگ میں انجمن کے ارکان کو شامل ہونے کی دعوت دی۔ آخر میں ڈاکٹر حیدر علی خاں نے وی سی کا شکریہ ادا کیا۔

انقلاب۔دہلی)

کاغذنگر کے اردو صحافیوں کی ضلع کلکٹر سے نمائندگی

کاغذنگر (28 جون)۔ اردو ورکنگ جرنلسٹ فیڈریشن کے ضلع صدر مرزا سلیم بیگ، ضلع جنرل سکریٹری ماجد اقبال اور اردو جرنلسٹ فیڈریشن اسٹیٹ آرگنائزنگ سکریٹری عبدالجمیل کی زیر قیادت اردو صحافیوں کے ایک وفد نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و ڈسٹرکٹ کلکٹر وینکٹیش سے ملاقات کرتے ہوئے اردو صحافیوں کے مسائل کو حل کرنے کا مطالبہ کیا اور تحریری طور پر یادداشت پیش کی۔ اس موقعے پر اردو ورکنگ جرنلسٹ فیڈریشن کے قائدین نے عوامی خدمات انجام دینے والے اردو صحافیوں کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے منڈل سطح کے اردو صحافیوں کو ایکریڈیٹیشن کارڈز کی منظوری، رہائشی پلاٹس، مکان کے لیے اراضی اور صحافی ہیلتھ کارڈ کی سہولت فراہم کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ اردو صحافیوں کے ساتھ انصاف ہوسکے۔ اس موقعے پر ڈسٹرکٹ کلکٹر وینکٹیش نے اردو صحافیوں کے مسائل کو حل کرنے کا یقین دلایا۔

(سیاست۔حیدرآباد)

قومی کونسل کو لال قلعے میں عالمی اُردو کتاب میلے کا اہتمام کرنا چاہیے: اطہر فاروقی

نئی دہلی (29 جون)۔ انجمن ترقی اُردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے کہا کہ قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان ملک کے مختلف حصوں میں کتاب میلوں کا اہتمام کرتی ہے جو کہ ایک اچھا کام ہے۔ کونسل کے موجودہ ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال خود کتابوں کے ماہر ہیں، وہ اس بات کو بھی بہ خوبی سمجھتے ہوں گے کہ دنیا بھر میں کتابوں کی اشاعت تیزی سے کم ہورہی ہے۔ اُردو کتابوں کے حوالے سے بھی صورتِ حال اچھی نہیں ہے، یقیناً وہ اس کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں ہوں گے۔ انھوں نے کہا کہ قومی کونسل نے کشمیر اور مالیگاؤں وغیرہ میں بہت اچھے اور کامیاب کتاب میلوں کا اہتمام کیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ قومی کونسل کو دہلی کے لال قلعے میں عالمی اُردو کتاب میلے کا اہتمام کرنا چاہیے کیوں کہ دہلی میں ہونے سے اس کا دور تک بڑا پیغام جائے گا۔ میری یادداشت کے مطابق قومی کونسل کی جانب سے 2000 یا 2001 میں آخری مرتبہ لال قلعے میں عالمی اُردو کتاب میلے کا اہتمام کیا گیا تھا جو بے حد کامیاب ثابت ہوا تھا۔ ڈاکٹر اطہر فاروقی نے کہا کہ قومی کونسل کے پاس بجٹ کی کمی نہیں ہے، اس لیے مستقل ایک ایسا نظام بننا چاہیے کہ دہلی میں کتاب میلہ ہو اور اس میں پبلشرز کو بلا کر پوچھا جائے کہ ان کو کیا سہولتیں مطلوب ہیں اور جتنے بھی پبلشرز کتاب میلے میں شرکت کریں اُن کو فیس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ انھوں نے کہا کہ این سی پی یو ایل کو چاہیے کہ عالمی کتاب میلے میں اردو کا ایک بڑا اسکیشن بنایا جائے اور اس بات کو عام کردیا جائے کہ جو بھی پبلشرز میلے میں شرکت کرنا چاہتے ہیں اُن کی فیس این سی پی یو ایل ادا کرے گی۔ اس طرح ملک کے گوشے گوشے سے زیادہ سے زیادہ پبلشرز میلے میں آئیں گے اور ایک بڑا پنڈال اُردو کتابوں کا لگے گا جو عوام کو کتاب میلے کی طرف راغب کرے گا اور پبلشرز کی زیادہ سے زیادہ کتابیں فروخت ہوں گی۔ یہ اُردو اور اُردو پبلشرز کے حوالے سے قومی کونسل کا ایک بڑا کام مانا جائے گا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اشاعتی صنعت چوں کہ روبہ زوال ہے لہٰذا اس سے متعلق وہ تمام لوگ بھی پریشانی میں مبتلا ہیں جن کی روزی روٹی اس سے وابستہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ صوبائی اُردو اکادمیوں اور دیگر سرکاری اداروں کے ساتھ قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان کو جس کا بجٹ 86 کروڑ ہے، اسے دوسرے کسی کام سے زیادہ اُردو کے ناشرین کی براہِ راست مدد کو ترجیح دینی چاہیے۔ (انقلاب۔دہلی)

اردو میڈیم اسکولوں کے مختلف امور و مسائل کی یکسوئی کے لیے نمائندگی
نظام آباد کے اقلیتی قائدین کی ڈی ای او سے ملاقات

نظام آباد، تلنگانہ (27 جون)۔ محمد علی شبیر (مشیر ریاستی حکومت برائے درج فہرست و اقلیتی طبقات) سے ضلع نظام آباد کے اردو ٹیچرس یونین کے قائدین نے مختلف دیرینہ حل طلب مسائل کی یکسوئی کے لیے نمائندگی کی تھی جس پر انھوں نے فوری طور پر اسسٹنٹ ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن سے فون پر رابطہ کرتے ہوئے ان مسائل کے حل کی ہدایات دی تھیں اور نظام آباد کے سینئر اقلیتی قائدین کو ڈی ای او نظام آباد سے ملاقات کرتے ہوئے ان مسائل کے بارے میں تفصیلات سے واقف کرانے اور نمائندگی کرنے کی خواہش کی تھی جس پر آج کانگریس کے اقلیتی قائدین کے ایک وفد نے جو جناب سیّد نجیب علی ایڈوکیٹ، اشفاق احمد خاں پاپا، محمد ہارون خاں (رکن ریاستی پولیوشن بورڈ و کارپوریٹر)، محمد مجاہد خاں (سابق کارپوریٹر)، سمیر احمد، نظیر الدین (کونسلر بودھن)، عمران احمد، محمد عارف الدین اور دوسروں پر مشتمل تھا، ڈی ای او نظام آباد سے ٹیچرس یونین قائدین کے ہمراہ ملاقات کی اور مختلف امور و مسائل پر تفصیلی نمائندگی کی۔ حالیہ اسسٹنٹ ٹیچرس پروموشن کے لیے تین اساتذہ کو نظر انداز کرتے ہوئے روک دیا گیا، اس مسئلے پر فوری اثر کے ساتھ ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن سے اجازت لیتے ہوئے ان اساتذہ کی ترقی کو یقینی بنانے کا مطالبہ کیا جس پر انھوں نے محکمے کی جانب سے ان اساتذہ کے اہل قرار دیے جانے اور انھیں پروموشن دیے جانے کی سفارش پر مبنی مکتوب وفد کے حوالے کیا۔ اس موقعے پر نظام آباد ضلع میں تین مدارس معراج پلی، سرکنڈہ، والکوٹ کے بند کیے جانے کے اسباب کے سلسلے میں ڈی ای او نے بتایا کہ طلبہ کی عدم موجودگی کے باعث یہ مدارس بند کردیے گئے۔ اگر طلبہ فراہم کیے جائیں تو ان مدارس کا دوبارہ آغاز کیا جاسکتا ہے۔ اردو میڈیم اسکولوں میں درکار اردو اساتذہ کے سلسلے میں موجودہ موقف اور مجوزہ ڈی ایس سی میں خالی اسامیوں کو پُر کیے جانے کے بارے میں بھی انھوں نے تفصیلات سے واقف کرایا اور بتایا کہ درکار اساتذہ کو ڈی ایس سی اعلامیہ میں شامل کیا گیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اساتذہ کی خالی اسامیوں کو ڈی ایس سی کے ذریعے پُر کیے جانے کے بعد اردو مدارس میں اساتذہ کی کمی کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ روسٹر سسٹم اور دیگر فنی امور سے بھی انھوں نے واقف کرایا جس کے ذریعے اردو اساتذہ کی تقرری اثر انداز ہورہی ہے۔ نظام آباد ڈائیٹ میں فوری اثر کے ساتھ تین اساتذہ کو ڈیپوٹیشن دیا گیا جس کے ذریعے عارضی طور پر فی الفور ڈائیٹ لیکچررس کی کمی کو پورا کیا جائے گا۔ مدھوملنچہ ہائی اسکول اُردو میڈیم میں جہاں 350 طلبہ زیرِ تعلیم ہیں، اندرونِ دس یوم اساتذہ کی تعیناتی عمل میں لانے کی یقین دہانی کرائی۔ ڈی ای او نے محکمہ جاتی سطح پر درپیش مشکلات سے بھی وفد کو واقف کرایا، بعد ازاں وفد نے جناب محمد علی شبیر سے فون پر ہوئی گفتگو کے نکات سے واقف کرایا اور بعض امور و مسائل میں ریاستی سطح پر حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ جناب محمد علی شبیر نے اردو اساتذہ کو یقین دلایا کہ وہ محکمۂ تعلیمات کے اعلا عہدیداروں کے ساتھ ایک اجلاس طلب کرتے ہوئے ان امور و مسائل کی یکسوئی کے لیے اقدام کریں گے۔ آج کی ملاقات کے موقعے پر ٹیچرس یونین کے قائدین محمد سلیم، ایس اے نعیم اور محمد ثناء اللہ کے علاوہ اساتذہ کی انجمنوں کے عہدیدار بھی وفد کے ہمراہ موجود تھے۔

(سیاست۔حیدرآباد)

بی ایس ایس سی دفتر کے باہر معاون اردو مترجمین کے امیدواروں کا مظاہرہ

فائنل رزلٹ جاری کرنے کا مطالبہ، افسران سے ٹھوس یقین دہانی ملے بغیر امیدوار ہٹنے کو تیار نہیں

پٹنہ (2 جولائی)۔ معاون اردو مترجمین کے امیدواروں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔ انتظامیہ اور حکومت میں بیٹھے سیاسی پارٹی کی لیڈروں سے فائنل رزلٹ کے لیے تاریخ پر تاریخ ملنے کے بعد آخر کار آج سیکڑوں امیدوار پٹنہ میں بہار اسٹاف سلیکشن کمیشن کے دفتر کے سامنے اپنے مطالبات کو لے کر مظاہرہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بے روزگار نوجوان برسوں سے اس امید میں بیٹھے فائنل رزلٹ کا انتظار کر رہے ہیں کہ آج نہیں تو کل انھیں روزگار ضرور مل جائے گا لیکن اب ان کی امیدوں کا باندھ ٹوٹ رہا ہے۔ بہار کے مختلف اضلاع سے سیکڑوں امیدوار بارش کے موسم میں پٹنہ کی سڑکوں پر اس امید کے ساتھ اکٹھا ہوئے کہ انھیں بی ایس ایس سی سے انصاف ضرور ملے گا۔ مظاہرین اپنے ہاتھوں میں انصاف کب ملے گا؟ کا پوسٹر بینر لے کر اکٹھا ہوئے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہ 2019 کی ویکنسی ہے۔ اگر حکومت کو نوکری نہیں دینی تھی تو ویکنسی کیوں نکالی۔ ان لوگوں کا الزام ہے کہ حکومت جان بوجھ کر اردو والوں کے ساتھ سوتیلا رویہ اپنا رہی ہے۔ اس بار ہم لوگ فائنل رزلٹ لے کر ہی جائیں گے۔

اردو مترجمین کے امیدواروں کا کہنا ہے کہ ہم لوگوں کو ای میل کے ذریعے کئی بار جواب ملا کہ پندرہ دن میں رزلٹ آ رہا ہے۔ پھر آر ٹی آئی کا جواب ملا کہ 30 جون تک رزلٹ آ جائے گا۔ اب ہم لوگ پٹنہ سے واپس اس وقت ہوں گے جب فائنل رزلٹ مل جائے گا۔ مظاہرین کا کہنا ہے کہ ہمیں نتیش کمار سے ایسی امید نہیں تھی۔ حالیہ لوک سبھا کے انتخاب میں ہم لوگوں نے نتیش کمار کو دیکھ کر ان کے امیدواروں کو ووٹ دیا اور جتایا لیکن اس کے بدلے میں ہم لوگوں کو کیا ملا۔ آج تک بے روزگار گھوم رہے ہیں۔ بعض امیدواروں کا کہنا ہے کہ اب دوسرے مقابلہ جاتی امتحان کی عمر بھی نہیں بچی جو ہم لوگ دوسری نوکری لے سکیں۔ مظاہرین کا کہنا ہے کہ ہم لوگوں کا فائنل رزلٹ جلد سے جلد جاری کیا جائے۔ قابلِ ذکر ہے کہ پی ٹی مینس کے بعد تین دفعہ کونسلنگ بھی ہو چکی ہے لیکن اب تک فائنل رزلٹ جاری نہیں ہوا ہے۔ نوکری کی امید میں سیکڑوں طلبہ سیاسی لیڈروں کا دروازہ کھٹکھٹا کر تھک چکے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ اس پوسٹ پر 1294 افراد کو بحال کیا جانا ہے۔ گذشتہ ایک سال سے بی ایس ایس سی کی جانب سے طلبہ کو رزلٹ کے نام پر بہلایا گیا ہے اور بار بار تاریخیں دی گئیں۔ بی ایس ایس سی کے افسران نے امیدواروں سے تکنیکی اور قانونی وجوہ کی بنیاد پر رزلٹ جاری کرنے کے لیے دو ماہ کا مزید وقت مانگا ہے لیکن امیدوار ماننے کو تیار نہیں ہیں اور بی ایس ایس سی گیٹ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

واضح رہے کہ ابھی چند دنوں قبل اردو مترجمین کی نوکری پانے کی دوڑ میں امیدواروں نے حج بھون میں اکٹھا ہو کر شیعہ وقف بورڈ کے چیئرمین افضل عباس، سنی وقف بورڈ کے چیئرمین ارشاد اللہ، بی ایس ایس سی کے جوائنٹ سکریٹری منوج کمار، مولانا شمیم منعمی اور کانگریس لیڈر ڈاکٹر شکیل احمد سے ملاقات کی اور اپنی باتیں رکھی تھیں لیکن ان کی یقین دہانی کے بعد بھی کچھ نہیں ہوا۔ (انقلاب۔ دہلی)

خلیل مامون کے سانحۂ ارتحال پر انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ کا تعزیتی اجلاس

گلبرگہ (23 جون)۔ بہ ظاہر سخت مزاج نظر آنے والے خلیل مامون کا دل بے حد شفاف اور معصوم تھا۔ وہ ہمیشہ خدا، کائنات اور فرد کے مسائل پر سوچا کرتے اور انسانی بے بسی اور اس کی لاحاصلی پر محزوں رہا کرتے۔ ان خیالات کا اظہار انجینئر اکرم نقاش نے انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گلبرگہ کے زیر اہتمام معروف شاعر، ادیب و دانشور خلیل مامون کے سانحۂ ارتحال پر منعقدہ تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے خلیل مامون سے اپنے دیرینہ اور قریبی مراسم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ خلیل مامون کی رحلت سے جہاں اردو دنیا ایک اہم شاعر وادیب سے محروم ہوئی ہے وہیں ان کا انتقال میرے لیے ذاتی نقصان و سانحہ بھی ہے۔ انھوں کہا کہ وہ آج اپنے ایک سرپرست سے محروم ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا کہ لاحاصلی خلیل مامون کی شاعری کا مضبوط حوالہ رہی ہے۔ انھوں نے کرناٹک اُردو اکیڈمی بنگلور کی صدارت کے حوالے سے کہا کہ خلیل مامون نے اپنے دورِ صدارت میں اکیڈمی کو نئی بلندیوں پر پہنچایا جو اپنی مثال آپ ہے۔ صدرِ انجمن ہذا انجینئر اکرم نقاش نے مزید کہا کہ گلبرگہ سے مرحوم کو گہرا لگاؤ تھا، وہ گلبرگہ کے احباب کی خبر گیری کرتے رہتے۔ خلیل مامون کی بیشتر کتابیں گلبرگہ سے شائع ہوئیں۔ تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر ناصب قریشی نے خمار قریشی مرحوم کی وساطت سے خلیل مامون سے متعارف ہونے کا ذکر کیا اور کہا کہ تب سے اب تک وہ ان سے رابطے میں رہے۔ ڈاکٹر افتخار الدین اختر نے خلیل مامون سے گلبرگہ میں ملاقاتوں کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ بہت سنجیدہ غیر معمولی پڑھے لکھے آدمی تھے۔ ادب میں ان کی ایک پہچان تھی۔ ڈاکٹر ماجد داغی (سکریٹری انجمن ہذا) نے خلیل مامون کی ہمہ جہت شخصیت کے روشن پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے ان کی شاعرانہ عظمت کے ساتھ ساتھ کرناٹک اُردو اکادمی بنگلور میں ان کے رفیقِ کار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تنظیمی، علمی اور صحافتی خدمات کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ ایسی شخصیتیں روز پیدا نہیں ہوتیں۔ جناب امجد جاوید نے خلیل مامون کی ادبی شخصیت پر روشنی ڈالی اور انھیں ایک صاف گو، مخلص اور دل پذیر فرد بتایا۔ انھوں نے خلیل مامون کے شعری اختصاص کی بابت بھی بات کی اور دعاے مغفرت کی۔ جناب حامد اکمل نے خلیل مامون کے شاعرانہ وصف اور شخصی اوصاف بتاتے ہوے انھیں بے حد مہذب اور عمدہ شاعر قرار دیا۔ جناب ولی احمد نے اہلِ گلبرگہ سے مامون صاحب کی محبت کا ذکر کیا اور کہا کہ کرناٹک میں گلبرگہ اہلِ ادب کے لیے ایک صدر مقام کی حیثیت رکھتا ہے انھوں خلیل مامون کے شاعرانہ قد اور ان کے کام کرنے کے معیاری طریقۂ کار کی ستائش کی اور ان کے حق میں دعاے مغفرت فرمائی۔ جناب محمد صلاح الدین (خازن انجمن ہذا) نے خلیل مامون کے حق میں دعاے مغفرت کی۔ اجلاس میں ڈاکٹر رفیق رہبر اور ڈاکٹر محمد رستم فیضی بھی شریک تھے۔ اجلاس کے اختتام پر درجِ ذیل تعزیتی قرارداد منظور کی گئی جسے ڈاکٹر افتخار الدین اختر نے پڑھ کر سنایا:

'انجمن ترقی اُردو (ہند) شاخ گلبرگہ کی مجلسِ عاملہ کا یہ اجلاس کرناٹک کے ممتاز ادیب و شاعر اور منفرد شخصیت جناب خلیل مامون کے سانحۂ ارتحال پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ خلیل مامون اُردو ادب کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ اُنھوں نے عالمی سطح کا پرچہ 'ادب' کے نام سے شائع کیا۔ کم و بیش سولہ کتابیں ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ انھوں نے کرناٹک اُردو اکادمی کے صدر کی حیثیت سے جو خدمات انجام دیں انھیں اکادمی کی تاریخ کا قیمتی اثاثہ کہا جا سکتا ہے۔ اُنھوں نے ہر کام اپنے اعلا معیار کے مطابق انجام دیا۔ انھیں تصوف سے گہری دل چسپی تھی۔ صوفیانہ مزاج کے مالک تھے۔ وہ بڑے خلیق، ملنسار اور صاف گو انسان تھے۔ وہ اپنی بات بے باکی سے ظاہر کرتے تھے۔ یہ اجلاس دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں بہشتِ بریں میں اعلا مقام دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے آمین'۔

رفتید ولے نہ از دلِ ما

ظفر رانی پوری

سیوان کے معروف شاعر علاء الدین عرف ظفر رانی پوری کا 30 جون 2024 کو پٹنہ کے ایک اسپتال میں دورانِ علاج انتقال ہو گیا۔ وہ تقریباً 75 برس کے تھے۔ ان کے انتقال سے سیوان کا ادبی حلقہ غمگین ہے۔ ظفر رانی پوری کا پہلا شعری مجموعہ 2013 میں 'احساس کا سفر' کے نام سے منظر عام پر آیا تھا۔ مرحوم کی نمازِ جنازہ رانی پور گاؤں میں یکم جولائی کو ادا کی گئی اور انھیں ان کے آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ مرحوم کے پس ماندگان میں بیوہ کے علاوہ تین بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

ڈاکٹر محمود فیاض ہاشمی کے سانحۂ ارتحال پر تعزیتی جلسہ

نئی دہلی (25 جون)۔ شعبۂ فارسی اور شعبۂ عربی دہلی یونی ورسٹی کے اشتراک سے ڈاکٹر محمود فیاض ہاشمی کے سانحۂ ارتحال پر ایک تعزیتی نشست کا انعقاد ہوا، جس میں شعبۂ فارسی کے صدر پروفیسر علیم اشرف خاں اور شعبۂ عربی کے صدر پروفیسر حسنین اختر نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ اس جلسے میں شعبۂ فارسی کے سابق صدر اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس پروفیسر شریف حسین قاسمی اور شعبۂ فارسی کے سابق صدر اور سینئر پروفیسر چندر شیکھر نے بھی شرکت کی۔ جلسے میں سبھی شرکا نے اظہارِ خیال کیا اور ان کی شرافت، بزرگی اور تدریسی خدمات پر سیر حاصل گفتگو کی۔ شرکا نے ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور ان سے جڑی اپنی یادیں اور دیرینہ روابط کو بیان کیا۔

واضح ہو کہ ڈاکٹر محمود فیاض ہاشمی نے ذاکر حسین ایوننگ کالج میں تقریباً 30 سال تدریسی خدمات انجام دیں اور 2019 میں بہ حیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ فارسی، ذاکر حسین ایوننگ کالج سے سبک دوش ہوئے۔ اس پروگرام کی نظامت شعبۂ فارسی کے صدر پروفیسر علیم اشرف خاں اور صدارت کے فرائض پروفیسر شریف حسین قاسمی نے انجام دیے۔ جلسے میں ذاکر حسین دہلی کالج کے اساتذہ میں ڈاکٹر ملک سلیم جاوید، ڈاکٹر جمشید خاں اور ڈاکٹر عمران چودھری کے علاوہ ذاکر حسین دہلی کالج شبینہ کے استاد ڈاکٹر خورشید احمد اور شعبۂ عربی سے ڈاکٹر محمد اکرام اور ڈاکٹر مجیب اختر کے علاوہ شعبۂ اردو ستیہ وتی کالج کے صدر پروفیسر قمر الحسن نے بھی شرکت کی۔ پروفیسر شریف حسین قاسمی نے اپنی صدارتی گفتگو میں ڈاکٹر محمود فیاض ہاشمی کے محاسن پر روشنی ڈالی۔ آخر میں مرحوم کے لیے مغفرت اور ان کے لواحقین کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کی گئی۔ (انقلاب۔ دہلی)

سخنِ افتخار
(کلیاتِ افتخار عارف)
افتخار عارف
قیمت: 1500 روپے

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : شاخِ زبور (شعری مجموعہ)
شاعر : منان بجنوری
ضخامت : 288 صفحات
قیمت : 100 روپے
ناشر : باغِ قلم پبلی کیشنز، ممبئی-400095
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

زیرِ تبصرہ شعری مجموعہ 'شاخِ زبور' منان بجنوری کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل ان کا پہلا شعری مجموعہ 'آیاتِ سخن' 2008 میں منظرِ عام پر آیا تھا۔ منان بجنوری نے اس مجموعے میں نظمیں، مناجات، بھجن، دوہے، غزل اور رباعی وغیرہ شامل کی ہیں۔ منان بجنوری کا شعر گوئی میں کوئی استاد نہیں ہے۔ انھوں نے ذاتی مشق سے اس فن میں کمال حاصل کیا۔ موصوف 'شاخِ زبور' کی اشاعت کے وقت پھیپھڑے کے کینسر میں مبتلا تھے لیکن انھوں نے اپنے علاج کے دوران ہی اس شعری مجموعے کو مکمل کر کے شائع کیا۔

منان بجنوری بنیادی طور پر کاروبار سے وابستہ ہیں لیکن اپنی ذہنی تسکین کے لیے شاعری کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں دنیا و مافیہا کی بے ثباتی کا رنگ چھایا ہوا ہے۔ انھوں نے اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کو اپنے کلام میں پیش کیا، اسی لیے انھوں نے کہا:

دنیا ہے یہ دشمن کو بھی پڑتی ہے یہاں پر
دشمن کی طرف ہاتھ بڑھانے کی ضرورت

پیٹ کی آگ جلا دیتی ہے ارمانوں کو
بھوک میں یادِ گل اندام نہیں آتے ہیں

منان بجنوری نے اپنے دوہوں، بھجنوں اور سورٹھوں میں ہندی زبان کے شیریں و نفیس الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ انھوں نے اپنے دوہوں میں گنگا جمنی تہذیب کو فروغ دیا ہے۔ اس بارے میں وہ کہتے ہیں:

نربل کو بھائی کہے مطلب میں بلوان
بھائی چارا دوستی برابری میں جان

کافر مشرک پارسا بنتا ہے انسان
بنتا نہیں کیوں آدمی آدم کی سنتان

منان بجنوری نے اپنی رباعیوں میں پند و نصائح سے کام لیا ہے۔ انھوں نے اپنی رباعیوں میں دورِ حاضر کے مسائل کی ترجمانی بھی کی ہے۔ انھوں نے مفتعلن، مفاعلن، مفعولن، فعلاتن اور فعلات سے شروع ہونے والے اوزانِ رباعی کو رودکی کے مروجہ اوزان کے ساتھ اپنی رباعیوں کو شاملِ کتاب کیا ہے۔ مذکورہ اوزان کے تحت منان بجنوری کی ایک رباعی ملاحظہ کیجیے:

جس کو سب سمجھ سکیں وہ بات کہو
یوں نہ مقالے کو مقّالات کہو
ویسے تو سمجھدار ہو تم خود ہمیں کیا
زباں تمھاری ہے دن کو رات کہو

منان بجنوری نے 'شاخِ زبور' کے پیش لفظ میں اپنی بیماری کے علاوہ ملک کی سیاست اور اپنے شعری سفر وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اس پیش لفظ کی قرأت سے معلوم ہوتا ہے کہ منان بجنوری ملک کی سیاست سے بہت نالاں ہیں۔ انھوں نے ملک کی سیاست کو بدلنے کے لیے ایک مجوزہ خاکا قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے اپنی بیماری سے متعلق بہت سی باتیں رقم کی ہیں۔ ساتھ ہی اپنے شعری سفر کے آغاز و ارتقا کے متعلق بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ انھوں نے اپنی کاروباری، بیماری اور نجی زندگی سے متعلق بھی بہت سی باتیں پیش لفظ میں تحریر کی ہیں۔ میری ناقص رائے کے مطابق منان بجنوری نے اپنے پیش لفظ کو غیر ضروری طوالت دی ہے۔ تمام باتیں دو چار صفحات میں بیان کی جا سکتی تھیں لیکن انھوں نے اپنے حالات کو بیان کرنے کے لیے بیس سے زائد صفحات صرف کیے ہیں۔ کتاب، جاوید عالم، محمد ندیم، حمیدہ خاتون اور اہلِ بیت کے نام معنون کی گئی ہے۔ منان بجنوری کی بیماری کا علاج کرنے والے ڈاکٹر شریش اڈوانی کا خصوصی شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ کتاب کی طباعت بہت ہی نفیس ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ منان بجنوری کا یہ شعری مجموعہ قارئین و ناقدین کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہوگا۔

◆◆◆

بقیہ: ترقی پسند مصنّفین اور بھوپال (بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

اس اجلاس کو مولانا سیّد سلیمان ندوی نے بھی خطاب کیا۔ چوتھے اجلاس کی صدر عصمت چغتائی تھیں اور چھٹا اجلاس جو ادبی تخلیقات کا دوسرا اجلاس تھا مہندر ناتھ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ چھٹے اجلاس کے بعد 28 جنوری کو جوشؔ ملیح آبادی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا۔ مشاعرے سے قبل جاں نثار اختر نے اختتامیہ تقریر کی، جس میں انھوں نے کانفرنس کے مختلف جلسوں کا جائزہ لیتے ہوئے ترقی پسند ادب اور ترقی پسند تحریک کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور تمام شرکا کا شکریہ ادا کیا۔ انجمن ترقی پسند مصنّفین کی اِس کانفرنس نے بھوپال کے نوجوان ادیبوں اور شاعروں میں حوصلہ پیدا کیا، اُن کے سینوں کو گرمانے کے ساتھ ساتھ زبان، ادب اور شاعری کے مختلف معاملات کا احاطہ کیا اور غور و فکر کی نئی راہیں کھولیں۔ کانفرنس کے شرکا میں بھوپال کے بہت سے ادیبوں و شاعروں کے علاوہ بیرونی شعرا و ادیبوں میں پنڈت سندر لال، جوشؔ ملیح آبادی، عصمت چغتائی، کرشن چندر، شاہد لطیف، مہندر ناتھ کے ساتھ مجروح سلطان پوری، غلام ربانی تاباں، عادل رشید اور ادھو کمار بھی شامل تھے۔ سردار جعفری کانفرنس کے انعقاد سے دو دن قبل گرفتار کر لیے گئے، اس لیے وہ اس کانفرنس میں شریک نہیں ہو سکے۔ جن لوگوں نے کانفرنس کو پیغامات ارسال کیے تھے ان میں محترمہ وجے لکشمی پنڈت، ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر سیّد عابد حسین اور شاہد احمد دہلوی (کراچی) قابلِ ذکر ہیں۔ بھوپال میں انجمن ترقی پسند مصنّفین کی کانفرنس کی کامیابی نے جاں نثار اختر کی مقبولیت میں بڑا اضافہ کیا اور اس سے خود اُن کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں بھی تیزی آئی۔ اسی کے بعد مئی 1949 کی آخری تاریخوں میں انھوں نے بھوپال کی انجمن ترقی پسند مصنّفین کے صدر احسن علی خاں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ انجمن ترقی پسند مصنّفین کی بھیمڑی کانفرنس میں شرکت کی۔

جون 1949 میں بھوپال کا حکومتِ ہند میں انضمام عمل میں آیا اور یہاں چیف کمشنر راج قائم ہوا تو انجمن کے ممبران کی سخت نگرانی ہونے لگی۔ چوں کہ بھیمڑی میں انجمن نے انتہا پسند رویہ اختیار کیا تھا اِس لیے حکومت ترقی پسند مصنّفین کی سرگرمیوں کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ بھوپال میں بھی چیف کمشنر راج نے اس سلسلے میں سخت اقدامات کیے۔ ترقی پسندوں کے گھروں کی تلاشی لینی شروع کر دی گئی اور گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں۔ اِن نازک حالات کا اندازہ کر کے جاں نثار اختر نے بھوپال چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور وہ 19 دسمبر 1949 کو بمبئی کے لیے روانہ ہو گئے۔

ترقی پسندوں کی بھوپال کانفرنس ایسے وقت میں ہوئی جب تحریک ادبار کی شکار تھی، اُس پر مختلف الزامات لگائے جا رہے تھے، ان کا جواب دینے کے لیے یہ کانفرنس ایک پلیٹ فارم ثابت ہوئی، اس کے ذریعے ہندستان کی آزادی، اردو زبان کے بارے میں موقف، فرقہ وارانہ قتل و غارت گری اور ملک کی تقسیم جیسے اہم سوالوں پر بحث کر کے اُن کی مناسب وضاحت کرنے نیز انجمن پر عائد الزامات کا جواب دینے کی جو کوشش ہوئی، اُس سے سبھی مطمئن نظر آئے، یوں بحیثیت مجموعی یہ کانفرنس اپنے مقاصد میں کامیاب رہی لیکن مقامی طور پر اِس کے اثرات دیرپا ثابت نہیں ہوئے کیوں کہ جاں نثار اختر نے بمبئی جانے سے قبل احسن علی خاں کو انجمن کے مقامی یونٹ کا صدر بنا دیا تھا لیکن وہ اِسے متحد نہیں رکھ سکے، اس میں بھوپال کے سیاسی حالات خاص طور پر یہاں دو سو سال سے جاری جاگیردارانہ نظام کا عمل دخل رہا۔ پھر بھی انجمن ترقی پسند مصنّفین بھوپال کے نام سے یہاں انجمنیں بنتی رہیں اور محدود پیمانے پر اُن کی سرگرمیاں بھی چلتی رہیں۔ نشستوں میں مقامی شاعر، افسانہ نگار، ادیب اور صحافی شرکت کر کے اپنی تخلیقات پیش کرتے رہے۔ آخر زمانے میں اِس کی نشستیں اختر سعید خاں، فضل تابش کے مکانات پروفیسر کالونی اور لبرٹی ہاؤس میں ہوتی رہیں جن میں ڈاکٹر شنکر دیال شرما، ست پرکاش سنگر، قمر جمالی، اشتیاق عارف، عشرت قادری، مقصود عمرانی، محمد علی تاج، انجم سلمانی، ابراہیم یوسف، متین نیاز، قاسم نیازی، نعیم کوثر، خالد عابدی، وحید پرواز، ظفر صہبائی، سرفراز دانش، جی ایم نغمی اور امتیاز انجم وغیرہ شرکت کرتے رہے۔

کافی عرصہ ہو گیا اب انجمن ترقی پسند مصنّفین کا بھوپال میں نام بھی سنائی نہیں دیتا، نہ اُس کے عہدے دار و ارکان موجود ہیں۔ ایک ایک کر کے سبھی رخصت ہو گئے، ظفر صہبائی حیات ہیں۔ اللہ انھیں سلامت رکھے۔ آمین۔

ڈاکٹر مرضیہ عارف
مکان نمبر 4، اسٹریٹ نمبر 1، ریت گھاٹ روڈ، بھوپال-462001
Mob. 6267843376

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

بقیہ: ڈاکٹر صفدر: ایک منفرد ناقد و جدید شاعر (بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

وسیلے سے وجود میں آنا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شاعر موجودات کی نہیں عالمِ ناموجود کی خبر لاتا ہے۔'' (ص:24)

تنقید کی تعریف کرتے ہوئے صفدر لکھتے ہیں:

''روحِ تخلیق تک رسائی کی کوشش کا نام تنقید ہے۔ تنقید کے اس تخلیقی عمل نے شعروادب کی نئی دنیائیں دریافت کی ہیں۔''

(بوڑھے کے رول میں ڈاکٹر اسداللہ)

مولانا آزاد کی تحریر کے متعلق ادبا کی رائے یہ ہے کہ وہ نثر میں شاعری کرتے ہیں۔ میں 'بے آمیز' سے چند نمونے قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے قارئین کو انداز ہوگا کہ 'بے آمیز' کی یہ تحریر نثر ہے یا شاعری۔ درمیان میں خط کشیدہ ترکیبات کا بھی تجزیہ کرتے جائیں تو یقیناً قاری ادیب کی دنیائے تخّیل کو explore کررہا ہوتا ہے۔

۱۔ شاعری قافیہ پیمائی نہیں معنی آفرینی ہے اور یہ کہ جب تک معنی آفرینی کا در باز نہیں ہوتا شعر تخلیق نہیں ہوتا۔ ہر اچھی بات شعر نہیں ہوتی۔ وزن اور قافیہ کا التزام بھی بیانات کو شعر نہیں بنا سکتا۔ (اقبال کے ریاضِ سخن کی فضائے جاں پرور)۔

۲۔ شاعر نے تضادات کے ذریعے نخرونی کو فزوں تر کردیا ہے۔ پھر ریاضِ سخن کی فضائے جان پرور کا تعارف ہوتا ہے۔ ہمارے غم اور ہماری خوشیوں کو فن کے سانچے میں ڈھال کر مثال ابد پائدار ہوجانا نظم کو ایک نئی کروٹ دیتا ہے۔

۳۔ ادب کا اچھا قاری جب مطالعہ کرتا ہے تو اس کی کیفیت اس سیّاح کے مانند ہوتی ہے جو عجائباتِ عالم کی سیر کو نکلا ہو۔ اچھی کتاب کا قاری لفظ و معنی کی روشنی میں تخیل کی بوقلمونی اور فکروخیال کی رنگارنگی کی حیرت خیز اور نشاط انگیز دنیا کی سیر کررہا ہوتا ہے۔ (غبارِ خاطر: ایک مطالعہ)۔

۴۔ 'غبار خاطر' مولانا آزاد کی ہمہ جہت شخصیت کا آئینہ خانہ ہے۔ یہاں ہم ان کے تبحرِ علمی، حافظے کی قوت، مطالعے کی وسعت، ادبیاتِ عالم پر دسترس، اردو عربی فارسی زبانوں پر قدرت، سیاسی بصیرت، قائدانہ صلاحیت، الفاظ کے سحر اور ان کی شخصیت کے جلال و جمال کے سامنے خود کو مبہوت کھڑا پاتے ہیں۔ (غبارِ خاطر: ایک مطالعہ)۔

۵۔ کرۂ ادب کے ملک صبا کے ایسے ہی شہر یاروں میں سے ایک شیخ رحمٰن اکولوی بھی ہیں۔ شیخ رحمٰن کو طنز ومزاح کی درآمد و برآمد کے لیے دور دراز کا سفر کاٹنا نہیں پڑتا۔

۶۔ بوڑھے کے رول میں، بخار اور گنگنانا ایسے انشائیے ہیں جن کا پڑھنا میں سعادت سمجھتا ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کی اردو ادب کے ہر شیدائی کو یہ سعادت نصیب ہو۔ (ص:59)۔

یہ چند مثالیں ہیں ورنہ کسی بھی صفحے کو کھولیے عبارت کے معنی سے لطف اندوز ہوتے جائیے۔

نقاد قاری کو ایک دوسری ہی دنیا کی سیر کراتا ہے۔ پڑھے ہوئے فن پاروں کو دوبارہ پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اب جو معنی اپنا نقاب الٹ کر دست بدستہ سامنے آکر کھڑے ہوتے ہیں تو ایک دوسری ہی دنیا نظر آتی ہے۔ اسی بات کو ڈاکٹر صفدر نے تیسری آنکھ سے تعبیر کیا ہے:

'فن بنیادی طور پر تیسری آنکھ کا سفر ہے۔ دنیا جو دو آنکھوں سے حیا کرتی ہے۔ فنکار کی تیسری آنکھ پر روشن ہوتی ہے۔ زندگی کے اس مظہر کو گھیر لینا ہی فن ہے۔' (ص:44)

فن پارے کی تنقید بے باک ہوتی ہے۔ فنکار کی بے جا تعریف و توصیف، قرابت داری یا بزرگی خوردگی کا شائبہ تحریر کو بے لطف بنا دیتا ہے، صفدر فن پارے کو اسی طرح پیش کرتے ہیں جیسا کہ وہ ہوتا ہے۔ بے جا آمیزش سے انھیں احتراز ہے۔ ان کی تنقید دودھ کی سفیدی اور شفاف پانی میں امتیاز کردیتی ہے۔ اسی بات کو یحیٰ جمیل نے 'دادِ ہنر' کے تحت لکھا ہے:

''فن کی معروضیت کو وہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ اس کے خدوخال قاری کے دماغ میں اجاگر ہوجاتے ہیں''۔

افسانے میں تخلیقات کی شناخت میں صفدر رقم طراز ہیں:

'اگر میں حقیقت نگاری کے نام پر وہ سب کچھ لکھ دوں جو میں مشاہدہ کررہا ہوں تو میری تحریر خبر تو بن سکتی ہے مگر تخلیقی افسانہ نہیں ہوسکتا۔ افسانے کے نام پر خبریں مہیا کرنا سادہ لوحی کے سوا کچھ نہیں ہے''۔

'بلی کا بچہ' راجندر سنگھ بیدی کی ایک کہانی ہے جس میں ایک بلی کا بچہ بیچ سڑک پر آکر بیٹھ جاتا ہے اور دونوں طرف ٹریفک رک جاتا ہے۔ ہر ایک کو اپنے کام پر جانے کی جلدی ہے لیکن لوگ اس بچے کو روندنے سے روک دیتے ہیں۔ بڑی مشکل سے بلی کا بچہ اٹھتا ہے اور دوسری سڑک کے درمیان میں بیٹھ جاتا ہے اور اب دوسری طرف کا ٹریفک رک جاتا ہے۔ بہ ظاہر ایک معمولی واقعہ ہے مگر بیدی کی قلم کی جولانی نے اس میں تخلیقیت بھر دی ہے۔ پریم چند کا افسانہ 'کفن' یا منٹو کا 'کھڑکی کھول دو' انسانی جہنم کی بدترین مثالیں ہیں جسے پڑھ کر انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔ شیطان بالکل ننگا ہوکر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اس وقت یہ کہانی حقیقت نہیں تھی۔

لیکن جب شبیلہ اور شتیلہ کے کیمپ میں لوگ اپنے مردہ بچوں کو کھانے پر مجبور ہوجائیں یا نربھیا جیسے واقعات ہمارے سامنے حقیقت کا روپ دھار لے، اس کی عکاسی کرنا ہی فنکاری ہے جو ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ فنکار کا فن جو نہیں ہے اسے ظاہر کرتا ہے اور جو ہے اسے پردۂ خفا میں رکھتا ہے۔ ڈاکٹر صفدر قاری اور تخلیق کار دونوں کو آئینہ دکھاتے ہیں۔ قاری ان کی نثر میں شاعری کا سرور پاتا ہے۔ وقت کا محقق جب ظ. انصاری، وارث علوی اور عامر عثمانی جیسے نثر نگاروں کی فہرست مرتب کرے گا تو اس فہرست میں ڈاکٹر صفدر کا نام نمایاں مقام پر ہوگا۔

صفدر کے ساتھ میری رفاقت برسوں پر محیط ہے۔ میں ان کی نگارشاتِ نظم ونثر پڑھتا رہا ہوں۔ وہ نقاد بھی ہیں، شاعر بھی اور طنز ومزاح نگار بھی۔ 'شاعری اور شیوۂ پیغمبری' اور 'جدید شعری تنقید' ان کی تنقیدی تصانیف ہیں، پھر 'قلقل آب وضو' کے عنوان سے ان کی کتاب آئی۔ یہ ان کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ اب وہ نظم نگار کی حیثیت سے جانے گئے۔ 'لفظوں پہ رم' کے ذریعے وہ ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ میں ان کی فنکاری کا معترف بھی رہا ہوں، مگر غزلوں کے مجموعے کی قرأت کا تاثر زیادہ شدید ہے۔ اس سے غزل کے آرٹ پر ان کی مضبوط گرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔ صفدر دعوا کرتے ہیں:

افق سے دور بہت دور دیکھ سکتا ہوں
تری زمیں سے بڑی اک زمیں پہ تنہا ہوں

یہ شعر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ صفدر بحیثیت شاعر عام آدمی سے مختلف ہیں۔ ان کی نگاہ مظاہر کے ان پہلوؤں کو بھی حیطۂ نظر میں کھینچ لاتی ہے جو عام آدمی کی نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں، اس لیے شاعر کا تجربہ اسے دوسروں سے مختلف اور زیادہ تنہا کردیتا ہے۔

مظاہر کے جو پہلو ہماری نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں وہ ہمیں صفدر کی غزل کے آئینے میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس طرح غزل پڑھ کر قاری حیرت زدہ ہوجاتا ہے کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھے۔

ایک حکایت کے ذریعے میں اپنے اس خیال کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک خدارسیدہ بزرگ کی ایک باندی تھی۔ بزرگ محترم نے باندی کو بازار سے کچھ چیزیں خرید کرلانے کی ہدایت کی، وہ بازار گئی مگر کچھ خرید کر نہ لا سکی۔ وجہ پوچھنے پر باندی نے کہا: ''حضور! بازار کا عجیب حال ہے، بازار جانوروں سے بھرا ہے۔ کسی دوکان پر شیر دھاڑ رہا ہے۔ کہیں چیتا ہے، کہیں بھالو، کہیں کتّا بھونک رہے ہیں۔ اس لیے میں گھبرا کر واپس چلی آئی۔''

بزرگ نے فرمایا: یہ مقام تو نے کب اور کیسے حاصل کیا؟

باندی نے عرض کیا: ''میں تو وہی آپ کی باندی ہوں۔ آج بس اتنی بات نئی ہوئی کہ میری چادر دکھائی نہ دی تو میں آپ کی چادر اوڑھ کر بازار چلی گئی تھی''۔

بزرگ نے فرمایا: ''یہ اسی چادر کا اثر تھا''۔

بعینہٖ صفدر کی غزل کے واسطے سے ہم اپنی جانی پہچانی دنیا پر نظر ڈالیں تو اس کی قلب ماہیت ہوچکی ہوتی ہے۔ اپنے چاروں طرف ایک جہاں حیرت آباد دکھائی دیتا ہے۔ مانوس آبادیاں خوف و دہشت سے بھر جاتی ہیں۔ یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

نہ بندہ نہ مولا عجب آدمی ہے — مرے شہر کا منتخب آدمی ہے
بکھرتے ہوئے لوگ حیران پریشاں — کوئی آدمی رب نہ رب آدمی ہے
اٹھائے پھروں ہفت افلاک سر پر — زمیں کو شکایت عجب آدمی ہے
کہ تو کون تھا کون ہے کیا بتاؤں — نہ انسان تب تھا نہ اب آدمی ہے
ہیں نہاں شعلے شراروں میں میاں — دیکھنے کو پھلجھڑی ہیں لذتیں
چاند ہالوں سے گھری روشن جبینیں — اور جبینوں پر جڑی ہیں لذتیں

ان اشعار میں نظر آنے والے سب ناچاہے اور ناگوار منظر ہیں۔ 'لفظوں پہ رم' میں قدم قدم پر یہ ان چاہے منظر پیش ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ نتیجہ اخذ کریں کی صفدر کی فکر پر اداسی مستولی ہے؟ صفدر کے ملنے والے جانتے ہیں کہ وہ باغ و بہار طبیعت کے آدمی ہیں، معمولی اور بے رس باتوں کو لطیفے میں بدل دیتے ہیں۔ صفدر فکرِ شعر کے وقت بھی بہجت کے متلاشی ہوتے ہیں مگر ہم عصر زندگی ایسی سفاک ہے کہ ان کی تلاش تلاشِ لاحاصل ثابت ہوتی ہے۔ وہ نرم وملائم لفظیات کا انتخاب کرتے ہیں۔ مگر ہم عصر زندگی کا جبر عکس فگن ہوکر ان آئینہ خانے کو دھندلا دیتا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

بھاگتے ہیں ہرے بھرے منظر — روشنی دیکھ کر ڈرے منظر
لمس کی لذتیں تر و تازہ — نرم گیلے ہرے ہرے منظر
قطرہ قطرہ ٹپک رہی ہے پیاس — شاخ در شاخ رس بھرے منظر
حد امکاں پہ جھولتے ہیں ہاتھ — دسترس سے رہے پرے منظر
چاند کے نور سے بھر جانا ہے — ہوش کی حد سے گذر جانا ہے
ہاتھ سے دور افق پر خواہش — بھاگتے بھاگتے مر جانا ہے
ہاں پھر لینا سراغ میرا — جلنے تو دے چراغ میرا
میرا آنگن گلاب منظر — پر اندیشہ دماغ میرا

بستیوں کے شور وشر سے دور پڑھتے ہیں زبور
آسمانوں میں فرشتے شاخساروں میں طیور
دیکھتے دیکھتے ہم لوگ روشن ہوگئے
خوف سے چونکے مناظر بھاگتے ہیں دور دور

اس قبیل کے اشعار 'لفظوں پہ رم' میں ہر صفحے پر ملتے ہیں۔ شاعر کی منتخب لفظیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رنگ اور رس کا متلاشی ہے، مگر شاعر کے خواب اور زندگی کی کڑوی سچائیوں میں کوئی میل نہیں ہے۔ اس تضاد کو صفدر ایک تخلیقی بعد کے ذریعے لفظوں میں گرفتار کرتے ہیں تو شعر ایک نئی معنویت سے چمک اٹھتا ہے، اسی کو معنی آفرینی کہتے ہیں۔ قافیے کے فریب سے فکر کو بچاتے ہوئے لفظ و معنی کے رشتے استوار کرنا تخلیقیت ہے، غزل کا آرٹ ہے۔ غزل کے شعر میں صفدر پوری ڈرامائی کیفیت کے ساتھ ایک مصرع کو دوسرے مصرع میں پیوست کرتے ہیں تو معنی کا شعلہ روشن ہوجاتا ہے۔ ایک ایسا منظر وجود میں آتا ہے جو پہلے سے موجود نہیں تھا۔

صفدر کی غزل میں شعر کا دوسرا مصرع ایک تخلیقی جست کے ذریعے مضمون کی تقلیب کردیتا ہے۔ اس طرح شعر کی تکمیل غزل کے آرٹ پر شاعر کی دسترس کی مظہر ہوتی ہے۔ ناشاعر کے یہاں قافیہ پیمائی اور بیان بازی شعر کو مردہ لفظوں کا ڈھیر بنادیتی ہے۔

ڈاکٹر صفدر کے یہاں زندگی کی ناگواریاں بھی لفظوں پہ رم کی صورت میں بیان ہوئی ہیں۔ امید ہے کہ اردو ادب میں ان کی تحریریں زندۂ جاوید رہیں گی اور وقت کا نقّاد ان کی تحریروں کو ایک مخصوص مقام عطا کرے گا۔

شاھد رشید
ورودڑ، ضلع امراوتی-444906 (مہاراشٹر)

ترقی پسند مصنّفین اور بھوپال

مرضیہ عارف

اُردو زبان، اُس کا ادب خاص طور پر شاعری ابتدا سے ترقی پسندی کی نمائندگی کرتی رہی ہے، جہاں تک اِس کے آغاز کا تعلق ہے تو ہمیں پہلے ترقی پسند شاعر امیر خسرو نظر آتے ہیں، جنھوں نے سنسکرت، فارسی اور عام بولیوں کے الفاظ کو ملا کر ایک نئی شاعری کی بنیاد ڈالی، اسی طرح ترقی پسندوں کے نقطۂ نظر کے مطابق اُردو میں دوسرا نام نظیر اکبرآبادی کا ملتا ہے، انھوں نے بھی ترقی پسندوں کے اِس نظریے کے مطابق کہ شاعری حقیقت میں انسانی جذبات وخیالات کی آئینہ دار ہوتی ہے، اپنی شاعری کو عوامی بنا کر پیش کیا، حالاں کہ اُس وقت تک ترقی پسندی کی اصطلاح وجود میں نہیں آئی تھی لیکن نظیر نے اپنے اشعار میں جن جذبات، ماحول اور زمانے کی عکاسی کی وہ ترقی پسندی کے عین مطابق تھی اس لیے اُردو میں نظیر کو پہلا ترقی پسند شاعر قرار دیا جاسکتا ہے۔

نظیر اکبرآبادی کے بعد بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں ترقی پسند ادبی تحریک کا آغاز ہوا اور یہ تحریک قرونِ وسطیٰ کی بھگتی تحریک کے بعد ہندستان کی سب سے بڑی ادبی اور ثقافتی تحریک مانی گئی، اس تحریک نے اُردو زبان کو ہی نہیں سبھی مقامی زبانوں کو متاثر کیا، یہاں تک کہ اُن کا رشتہ زبان وادب کے ساتھ زندگی کے دوسرے شعبوں سے بھی جوڑ دیا۔ اس سے پہلے سرسیّد احمد خاں کی اصلاحی تحریک نے ادب وسماج پر ایسے ہی اثرات ڈالے تھے لیکن اُس کے مقاصد اُردو نظم و نثر کو آسان بنانے، ایرانی اثرات سے آزاد کرانے تک محدود تھے جب کہ ترقی پسند تحریک نے پورے انسانی سماج کے تاریک پہلوؤں کو روشن کرنے پر زور دیا مگر اُس کی توجہ زبان وادب پر زیادہ رہی اور یہ اپنے عہد کی انقلابی تحریک تسلیم کی گئی بلکہ نصف صدی سے زیادہ مدت تک اِس نے ملک کے تعلیم یافتہ طبقے کو اپنے ساتھ جوڑے رکھا اور اس تنظیم کی شاخیں برِّصغیر میں منظّم طور پر کام کرتی رہیں۔

1935 میں سجاد ظہیر اور اُن کے ساتھیوں نے لندن میں ترقی پسند مصنّفین کی بنیاد رکھی اور ہندستان میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، فیض احمد فیض، مخدوم اور سردار جعفری وغیرہ نے اِس کو مقبول بنانے میں اہم حصہ لیا، اس کے اعلان نامہ میں تلقین کی گئی کہ ہر ترقی پسند ادیب و شاعر اپنے ماحول کا جائزہ لے کر سماج کے بنیادی مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنائے۔ نسلی تعصب، سماجی پستی، غریبی، فرقہ پرستی کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ ترقی پسند مصنّفین کی پہلی آل انڈیا کانفرنس 1936 میں پریم چند کی زیرِ صدارت لکھنؤ میں ہوئی، جس میں انھوں نے اعلان کیا تھا کہ 'سچا ادب اُن تخلیقات کو ہی کہا جاسکتا ہے جس کے ذریعے قوت اور عمل کی تحریک پیدا ہو، ترقی پسند ادب بیداری کا آئینہ دار ہوتے ہوئے روحانی اور ذہنی تسکین کا باعث بھی ہوتا ہے'۔ پریم چند نے ترقی پسند ادب کو معاشرے کی اصلاح کے لیے ضروری بتایا لیکن کانفرنس کی بازگشت ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ سجاد ظہیر اور سردار جعفری کے قریبی حلقے نے ترقی پسند مصنّفین تحریک کو ادب سے زیادہ سیاست کا ترجمان بنا دیا اور یہ اشتراکیت کی علم بردار بن کر رہ گئی، مجبوراً اِس سے ناراض قلم کاروں کو تحریک سے علاحدہ ہونا پڑا، کیوں کہ تنظیم اپنے بنیادی مقاصد سماج کی فلاح و بہبود سے ہٹ کر اشتراکیت کے لیے کام کرنے لگی، پہلے اُس کا مقصد سامراجیت کا مقابلہ تھا، عوام و خواص اِسی لیے اُس کے ساتھ تھے لیکن آزادی کے بعد تحریک کی دلچسپی کمیونسٹ نظریات کی اشاعت تک محدود ہوگئی۔ ملک کی آزادی کو بھی یہ لوگ دھوکہ قرار دینے لگے لہٰذا حکومت بھی اِسے شبہے کی نظر سے دیکھنے لگی، اِس کے اخبارات ورسائل پر پابندی لگنے لگی اور رہنماؤں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی، انجمن کی بھیمڑی کانفرنس نے رہی سہی کسر پوری کردی۔

1949 میں ترقی پسند کانفرنس کا جو نیا دستور سامنے آیا وہ جمہوریت کے پردے میں کمیونسٹ نظام کا ترجمان تھا۔ 1952 کی کراچی کانفرنس مولوی عبدالحق کی صدارت میں ہوئی تو اس میں صورتِ حال کو سنبھالنے کی کوشش کے طور پر معافی نامہ جیسی تجاویز سامنے آئیں لیکن حکومت پاکستان کی طرف سے اُنھیں قبول کرنے کے بجائے 1953 میں تنظیم پر پابندی لگا دی گئی۔

جہاں تک بھوپال کی نوابی ریاست سے انجمن ترقی پسند مصنّفین کا تعلق ہے تو اُس کی سرگرمیاں یہاں کچھ تاخیر سے شروع ہوئیں اور اُن ہی ادیبوں وشاعروں نے اِس میں دل چسپی لی جو دوسرے نام سے چلنے والی کمیونسٹ تحریک سے متاثر یا وابستہ تھے، یہ لوگ پہلے سے جاگیردارانہ سماج اور راجہ نوابوں کی حکمرانی کے مخالف تھے، اور چاہتے تھے کہ انگریزوں کی طرح اُن کے اقتدار کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ شروع میں اِنھیں قبولیت حاصل نہیں ہوئی کیوں کہ یہاں کے عوام کی اکثریت اپنی ریاست کے بنے بنائے نظام کو ختم کرنا نہیں چاہتی تھی، لیکن بعد میں نوجوان اس میں دلچسپی لینے لگے۔ 1945 میں جب انجمن ترقی پسند مصنّفین کا بھوپال میں باضابطہ قیام ہوا تو قدوس صہبائی اس کے صدر اور مقصود عمرانی جنرل سکریٹری بنے لیکن اِسے اعتبار ومقبولیت اُس وقت ملی جب جاں نثار اختر اور اُن کی اہلیہ صفیہ اختر جو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے، حمیدیہ کالج کے اساتذہ بن کر بھوپال آئے، یہ پہلے سے انجمن میں کام کر رہے تھے اور تجربہ کار بھی تھے۔

انھوں نے بھوپال میں اِس تحریک کے لیے ماحول بنایا اور قیادت سنبھالی تو نوجوان اُن کے پیچھے جمع ہوگئے۔ اِسی زمانے میں ملک آزاد ہوا تھا اور تقسیم کے نتیجے میں فرقہ وارانہ کشیدگی عروج پر تھی، پھر بھی بھوپال اِس سے محفوظ رہا، اسی ماحول میں جاں نثار اختر نے بھوپال میں انجمن کی آل انڈیا کانفرنس منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔ انجمن کے ضابطے از سرِ نو مرتب کیے مرکزی قیادت سے اس کی منظوری حاصل کی۔ حامد سعید خاں کو استقبالیہ کمیٹی کا صدر چنا گیا، انتظامیہ کمیٹی میں احسن علی خاں، ابراہیم یوسف، اختر سعید خاں، قمر جمالی، انجم سلمانی، صہبا لکھنوی اور محمد علی تاج لیے گئے۔ کانفرنس کے افتتاح کے لیے معروف ادیب اور عالم سیّد سلیمان ندوی راضی ہوگئے تو 25 جنوری 1949 کو شام 7 بجے منٹو ہال (جو بعد میں حمیدیہ کالج بنا) میں علامہ سیّد سلیمان ندوی نے اس کا افتتاح فرماتے ہوئے نوجوان ادیبوں اور شاعروں کو نصیحت کی کہ 'اپنی زبان اور قلم کو آگ بھڑکانے میں نہیں بلکہ اُس کو بجھانے کے کام میں لائیں۔ اپنے میٹھے بول اور سریلے گیتوں سے غم سے بھرے ہوئے دلوں کو تسکین کا پیغام دیں۔ میں نے ترقی پسندوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ادب، زندگی کا ساتھ دے، یہ بالکل ٹھیک ہے۔ کیا شاہنامہ اور فرخی وعنصری کے دیوان نہیں بتاتے کہ سلطان محمود کے عہد میں اُس مملکت کی کیا فضا تھی اور کیسی عسکریت چھائی ہوئی تھی، اس لیے آج کے نوجوان ادیب جب اپنے زمانے کے خیالات کی ترجمانی کرنا چاہیں تو یہ دنیا کا کوئی نیا واقعہ نہیں، یوں ہی ہوا ہے، یوں ہی ہوتا آیا ہے اور یوں ہی ہوتا رہے گا'۔

خطبۂ استقبالیہ حامد سعید خاں نے پڑھا اور افتتاحی اجلاس کی صدارت کرشن چندر نے کی۔ افتتاحی جلسے کے بعد دوسرے اجلاس کی صدارت بھی کرشن چندر نے کی۔ یہ کانفرنس چھے اجلاسوں پر مشتمل تھی۔ افتتاحی جلسے کے بعد دوسرے اجلاس کی صدارت شاہد لطیف نے کی اور تیسرا اجلاس پنڈت سندر لال کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ...(بقیہ صفحہ 6 پر)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***